غالب کے دور میں فارسی نثر

ایک اجمالی تجزیہ

نکہت فاطمہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

ہندوستان میں فارسی زبان وادب کی جو ترقی مغلوں کے دور میں ہوئی وہ ہماری تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ مغلوں کی فارسی زبان وادب سے دلبستگی اور تشویق کے نتیجہ میں شعراء علماء وادباء کی ایک کثیر تعداد درباروں سے وابستہ رہی۔ بابر سے لیکر بہادر شاہ ظفر تک سبھی مغل بادشاہوں نے فارسی زبان وادب کی سرپرستی کی۔ بہادر شاہ ظفر آخری مغل بادشاہ تھے جو فارسی زبان وادب کے دلدادہ تھے۔ غالب (۱۷۹۷ء/۱۲۱۲ھ-۱۸۶۹ء/۱۲۸۵ھ) اسی بادشاہ کے دربار سے وابستہ تھے۔ بہادر شاہ ظفر کے عہد میں انگریز ہندوستان کے مختلف حصوں پر اپنا تسلط قائم کر چکے تھے۔ چونکہ فارسی زبان کی جڑیں ہندوستان میں کافی گہری اور قدیم تھیں۔ اسی وجہ سے فارسی زبان انگریزی زبان سے مغلوب نہیں ہو سکی۔ اس دور میں بھی ہندوستان میں فارسی شعراء وادباء کی خاصی تعداد تھی مثلاً مولانا فضل حق خیر آبادی ثم الدحلوی، مولانا مفتی صدر الدین خان متخلص بہ آزردہ، مولوی عبد اللہ خان علوی، مولوی امام بخش صہبائی، حکیم مومن خان مومن، نواب مصطفیٰ خان حسرتی، نواب ضیاء الدین احمد خان نیر، سید غلام خان وحشت وغیرہ۔ بقول حالی

”در حقیقت ان لوگوں کا مرزا کے عصر میں موجود ہونا ان کی شاعری کے حق میں بعینہ ایسا تھا جیسا عرفی، نظیری کے حق میں خانخانان ابوالفتح کا ان کے زمانے میں ہونا۔“[۱]

غالب کو اپنی ترک نژادی اور فارسی دانی پر ناز تھا۔ وہ اپنے دادا کے ہندوستان آنے کا حال بڑے ذوق کے ساتھ بیان کرتے ہیں مہر نیمروز میں لکھتے ہیں:

" نیای کان که در قلمروی ماورالنهر سمر قندی...از سمر قند به هند آمد۔"[۲]

غالب کو فارسی میں غیر معمولی استعداد حاصل تھی اور انہوں نے اسی زبان کو اپنے اظہار وابلاغ کاذریعہ بنایا۔ نہ صرف شاعری میں بلکہ نثر میں بھی جو اہم یادگاریں چھوڑیں وہ ادب کی جان ہیں۔ غالب کو نہ صرف اپنی فارسی شاعری پر بلکہ فارسی نثر کے اسلوب پر بھی ناز تھا اور وہ اپنے فخر کا اظہار مہر نیمروز میں اسی طرح کرتے ہیں۔

" این پارسی آمیخته بتازی که از زبان چیره دستی عرب برعجم درگیتی پدید آمد خسروی گنجینه' دربسته بود که خامه من قفل درش را کلید آمد پرویز کجاست تابنگرد که درین رهروی کدام ره سپرده ام وبهرام کجا است تا فرارسد که سخن را از کجا بکجا برده ام۔"[۳]

غالب کے فارسی نثری آثار سے ان کے عہد کے حالات کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ خاص کر غالب کے خطوط سے ہمیں غالب اور ان کے عہد کے بارے میں جاننے اور سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے۔ غالب اس زمانے میں سن شعور کو پہنچے جب ایک طرف تو غیر ملکی ہندوستان میں اپنی طاقتیں بڑھا رہے تھے تو دوسری طرف مغل حکمرانوں کی طاقت اگرچہ زوال پزیر تھی مگر ملک کے مختلف گوشوں میں ان حکمرانوں کی عزت، احترام اور بزرگی قائم تھی۔

۱۸۵۷ء کا غدر غالب کے لئے روح فرسا حادثہ تھا۔ غالب نے اپنے مکاتیب میں ان خونیں حادثات وواقعات کو بہت موثر پیرایہ میں بیان کیا ہے اور اسی وجہ سے ان کے خطوط تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ غالب کی نثری تصانیف میں خطوط کے علاوہ پنج آہنگ، مہر نیمروز، دستنبو، کلیات نثر غالب، قاطع برھان، درفش کاویانی وغیرہ شامل ہیں۔

غالب کی فارسی نثری تصانیف ان کی بے مثال تخلیقی صلاحیتوں کا نمونہ ہیں۔ زبان وبیان پر ان کو استادانہ مہارت حاصل تھی۔ فارسی نثر کے بارے میں انہوں وقتاً فوقتاً اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ غالب نے نثر میں سادہ نویسی اپنا کر جدتیں پیدا کیں۔ جہاں ایک طرف انہوں نے خطوط میں لمبے چوڑے القاب سے پرہیز کیا وہیں دوسری طرف عبارت کو آرائش سے پاک کر کے نفس مضمون کو عبارت آرائی سے زیادہ اہمیت دی اور پیچیدہ جملوں سے گریز کیا۔

غالب اپنی مشہور تصنیف پنج آہنگ کے آہنگ اول میں جو کہ القاب و آداب سے متعلق ہے، طرز نگارش سے متعلق اپنے خیالات و نظریات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

" بدان ای هوشمند سخن پیوند که نامه نگار را آن باید که نگارش را از گزارش دور ترنبرده ، بنشش را رنگ گفتن دهد و مطلب را بدان روش گزارد که دریافتن آن دشوار نبود، واگر مطلبی چند داشته باشد در تقدیم و تاخیر ژرف نگهی بکار برد، از آن بپر هیزد که در سخن گره درگره گردد واجزای مدعا بهم دیگر فرو خورد. زنهار استعاره های وقیق ولغات مشکله ونامانوس در عبارت درج نکند ودر هر نوورد رعایت رتبۂ مکتوب‌الیه در نظر دارد وتاتواند سخن را درازی ندهد واز تکرار الفاظ محترز باشد وبیشتر به مذاق اهل روز گار حرف زند واز احاطهٔ قواعد وقوانینی که قرار دادۂ این مردم است به در نرود اما اندازۂ خوبی زبان نگاه دارد و این پارسی آمیخته بتازی را در کشاکش تصرفات هندی زبانان وپارسی نویس ضائع نگزارد ولغات عربی جزبقدر بایست صرف ننما ید وپیوسته در آن گوشه که سادگی ونغزی شعار او گردد ودر اقسام مکاتیب خاصه در خطوط وعرائض که به حکام نویسد ومشتمل بر معاملات باشد از اعلاق واغراق احتراز واجب داند وسخن به استعاره واشاره نگزارد ونرم گوید و سنجیده گوید وآسان گوید." [۴]

مندرجہ بالا عبارت کو مد نظر رکھتے ہوئے خطوط نگاری میں غالب کے نظریات واضح ہوتے ہیں۔ مثلاً غالب کے مطابق خط لکھنے کا طریقہ اور طرز تحریر ایسی ہو جیسے دو انسان آپس میں گفتگو کر رہے ہیں۔ زبان سادہ اور سلیس ہو۔ نامانوس الفاظ سے پرہیز کیا جائے اور خالص فارسی طرز کی پیروی کی جائے۔ جہاں تک ممکن ہو سکے عربی الفاظ کے استعمال سے گریز کیا جائے اور صرف نہایت ضروری حالات میں ہی ان کا استعمال کیا جائے۔ خاص کر عرائض نویسی میں سادہ اور رواں طرز اختیار کی جائے۔

تیرہویں صدی ہجری / انیسویں صدی عیسوی میں عہد غالب میں جہاں ہندوستان میں غالب کے توسط سے نثری ادب میں خاص طور پر نئے رجحان آنے شروع ہوئے۔ اسی دور میں ایران میں بھی ادبی تحریک کا آغاز ہو رہا تھا۔ عہد افشار کے بعد بارہویں صدی ہجری کے آخر میں یعنی کریم خان زند (۱۱۶۳ھ - ۱۱۹۳ھ) کے دور سے ایران میں ایک بار پھر امن وامان قائم ہوا جس کو قاچار خاندان (۱۷۷۹ء/ ۱۱۹۳ھ-۱۹۲۵ء-۱۳۴۴ھ) کے بادشاہوں نے بڑی حد تک بر قرار رکھا۔ اور ایران میں دوبارہ علم وادب کا بازار گرم ہوا اس دور کے کچھ سنجیدہ اور باذوق لوگوں نے اس وقت رائج مصنوعی اور مغلق انداز نگارش کے خلاف صدای احتجاج بلند کیا۔ چنانچہ تیرہویں صدی کی ابتداء ہوتے ہوتے یعنی عصر غالب میں ایران میں ایک اہم ادبی تحریک کا آغاز ہو چکا تھا جو در حقیقت اس مصنوعی اور پیچیدہ سبک کے خلاف بغاوت تھی۔ یہ تحریک تاریخ ادبیات ایران میں سبلک بازگشت کے نام سے مشہور ہے۔ اس بازگشت ادبی میں شعراء وادباء نے ایران کے کلاسیکل سبک کی پیروی کی اور سادگی کو اپنایا۔ سادہ نویسی کی یہ تحریک ادبی نثر میں مقابلتاً بعد میں اور آہستہ تر وجود میں آئی۔ اسکے ابتدائی نقوش گنجینۂ معتمد تالیف میرزا عبدالوہاب نشاط (۱۷۶۱ء/ ۱۱۷۵ھ - ۱۸۳۴ء - ۱۲۳۴ھ) انجمن خاقان تالیف فاضل خان گروسی (۱۱۹۸ھ - ۴-۱۲۵۳ھ)، حدائق الجنان تالیف عبدالرزاق بیگ دنبلی (۱۱۷۶ھ - ۱۲۴۳ھ) میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ تیرہویں صدی کے آغاز کے ساتھ جہاں ہندوستان میں انگریزی طاقت زیادہ مجتمع ہو گئی تھی وہیں ایران بھی یوروپ سے متاثر اور مغربی افکار و آثار سے آشنا ہو رہا تھا۔ ایرانی حکام، امراء، ہوشمند ادیب اور پڑھا لکھا طبقہ اپنے ہمسایہ ممالک کے مقابلے میں اپنی پس ماندگی سے آگاہ ہوئے۔ اور جو لوگ اس عقب ماندگی کے اسباب کو بخوبی جانتے تھے ان میں ناصرالدین شاہ (۱۲۴۷ھ/ ۳۲-۱۸۳۱ء-۱۸۹۶ء) کے وزیر میرزا تقی خان امیر کبیر (۱۸۰۸ء/ ۱۲۲۳ھ-/ ۱۲۶۸ھ اور محمد شاہ ۱۲۲۲ھ / ۱۸۰۷ء- ۱۲۶۴ھ / ۱۸۴۸ء) کے صدر اعظم قائم مقام فراہانی (۱۷۷۹ء/ ۱۱۹۳ھ- ۳۵-۱۸۳۴ء / ۱۲۵۱ھ) تھے۔ ان دنوں نے ایرانی عوام اور ملک کی اصلاح کے لئے جو کوششیں شروع کیں ان میں ایک سب سے اہم کوشش سلیس طرز نگارش کی طرف عوام کو راغب کرنا تھا۔ ان دونوں کا شمار تیرہویں صدی اور عصر غالب میں ایران کے ماہر نثر نویسوں میں ہوتا ہے۔

انہوں نے سادہ نویسی کی اس مہم کو خود دربار سے شروع کیا اور سب سے پہلے رسمی مکاتیب کے تکلفات کو ختم کر کے اس کو مصنوع عبارت سے نجات دلوائی۔ امیر کبیر اور قائم مقام نے اپنی تحریروں کے ذریعہ لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا کہ سنجیدہ مطالب کے اظہار، خطوط نویسی، تاریخ نویسی، شرح حال نویسی وغیرہ میں آرائش اور رنگارنگی بیکار ہے جس سے اصلی معنیٰ و مفہوم فوت ہو جاتا ہے۔

یحییٰ آرین پور "از صبا تا نیما" میں قائم مقام کی نثر کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

"قائم مقام به مقدار زیادی از عبارات متکلف ومتصنع ومضامین پیچیده و تشبیهات بارد ونابجاکاسته وتااندازه ای انشای خود را، مخصوصاًدر مراسلات خصوصی ، به سادگی وگفتار طبیعی نزدیك ساخته است،نثراو، بر خلاف آثار اسلاف وی که پر از جمله ها وعبادت های طویل وقرینه سازیهای مکرروسجعهای خسته کننده است، از جمله های کوتاه ترکیب شده وقرینه هابه ندرت تکرار می شود...از ذکر القاب وتعریفهای تملق آمیز حتی المقدور اجتناب می ورزد. به اشعار فارسی وعربی وآیات قرآنی واحادیث واخبار که شیوۂ نویسندگان سابق است، خیلی کمتر از اسلاف خود تمسك می جوید وبسیار بجا وبموقع تازه ومتداول، که به کاربردن آنها برای منشیان ونویسندگان محافظه کار بسیار سخت ودشوار بود، پرواه نمی کند وبالا خره نامه های اونسبت به رسم وعادات آن زمان جامعتر وفشرده ترو خاصه در موار دی که میل ندارد مطلبی را صریح بنویسد وموجزو کوتاه وبامقام ومقال متناسب است."[۵]

عصرِ غالب میں ایران میں جن نثر نگاروں نے رواں اور سادہ طرزِ نگارش کو عام کیا ان میں امیر کبیر اور قائم مقام کے علاوہ مرزا تقی علی آبادی معروف بہ صاحب دیوان (وفات ۱۲۵۶ھ)، فاضل خان گروسی معروف بہ راوی (۱۱۹۸ھ۔۵۴۔۱۲۵۳ھ) عبدالرزاق بیگ دنبلی (۱۱۷۶ھ۔۱۲۴۳ھ) وغیرہ کے نام خصوصیت کے ساتھ لیے جا سکتے ہیں۔ ذیل میں امیر کبیر اور قائم مقام کی نثر کا

نمونہ پیش کیاجاتاہے :نمونۂ امیر کبیر :

"قربان خاکپای همایون مبارکت شوم. دستخط همایون زیارت شد. مقرر فرموده بودند که فردایك ساعت بعد از ظهر ایلچی بیاید. خبر کردم امّا چنان می دانم که بیکار نباشد. به یك دو چیز حدس می زنم. اگر طرف عصر کاری نداشته باشند بیرون تشریف می آورند خواستم عرضی بکنم که مبادا فردا جوابی برخلاف مصلحت دولت خودتان بفرمائید. درباب فقرۂ ثانی حضورآعرض می شود. زیاد جسارت نوروز باقی الامر همایون."[۶]

نمونۂ نثر قائم مقام:

"ایلچی آن دولت را در پائیتخت این دولت، به اقتضای حوادث ودهر و غوغای کسان اوباجهال شهر ، آسیبی رسید که تدبیر وتدارك آن برذمۂ کار گزاران این دوست واقعی واجب ولازم افتاد. لهذا اولا برای تمهید مقدمات عذر خواهی وپاس شوکت واحترام آن برادر گرامی ، فرزند ارجمند خسرو میرزارا به پایتخت دولت روسیه فرستاده."[۷]

اگرامیر کبیر، قائم مقام اور دوسرے نثر نگاروں کی نثر کا مطالعہ کریں تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے بھی اسی طرز نگارش پر زور دیا جو غالب کی نثر کا خاصہ تھیں۔ خطوط میں القاب و آداب اور تکلفات سے پرہیز کر کے طویل اور پیچیدہ جملوں سے اجتناب کیا۔اشعار، آیات واحادیث اور عربی عبارات سے بہت کم استفادہ کیا۔ مختصر جملوں کا استعمال اور مطالب کا اختصار کے ساتھ اظہار کرنے پر زور دیا۔ساتھ ہی نفس مضمون کو عبارت آرائی پر ترجیح دی۔

اور جیسا کہ پنج آہنگ کے اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہی خصوصیات اس وقت غالب کی نثر نویسی اور خصوصاً خطوط میں نمایاں ہیں۔ غالب کے فارسی خطوط میں بھی مروجہ القاب و آداب، خاتمہ اور دعا کے کلمات سے اجتناب کیا گیا ہے اور مکتوب الیہ کو اس طرح مخاطب کیا گیا ہے کہ اس سے تحریر مکالمہ کے بہت قریب ہو جاتی ہے۔چند نمونہ بطور مثال پیش ہیں:

حضرت سلامت ، می دانید که ... (نامه بنام منشی محمد حسن ، ص ۹٦)

حضرت سلامت من که مرازبان در ستایش بیقرار است... (نامه بنام نواب مصطفیٰ خان بهادر ، ص ۱۰۸)

مخلص نواز اولا نامه سترفراز کرد... (نامہ بنام نواب مصطفیٰ خان بہادر، ص۱۰۸)

مهر بان روی مهربان خوی سلامت.... (نامہ بنام الف بیگ نام دوستی، ص۱۱۰)

اسی طرح قائم مقام کے منشات کا مطالعہ کرنے پر اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ انہوں نے بھی زائد القاب و آداب سے پرہیز کیا۔ مثال کے طور پر:

" مخدوم مشفق من..."، " نایب السلطنة بداند..." ، " خداوند گارا، صاحب اقتدارا...." ۸

ذیل میں غالب کی کچھ نثری خصوصیات کا مقایسہ قائم مقام کی نثر سے کیا جاتا ہے۔

لہجہ کی صراحت اور صفائی غالب کے خطوط کا اہم حصہ ہے۔ مولوی سید ولایت حسن خان بہادر کو لکھے گئے خط کے اقتباس سے غالب کی نثر کی اس خصوصیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

" قبله حاجات ، هر چند دشوار است به هجران زیستن ودانم که بیدوست نتوان زیستن لیکن بند ارادت از جانب خویش بدان اندازه استواری می نگرم که اگر بفرض محال صد سال وصد هزار سال به فراقم گردد خاطر را همان به سوی وفا گرایش ومهربان همان روی در افزایش خواهد بود. امید که هم درین شمار تفقدو التفات ازان طرف نیز روز افزون باشد.... ۹

اس خصوصیت کو مد نظر رکھتے ہوئے قائم مقام کے ایک خط کا، جو وقائع نگار کو لکھا گیا ہے، اقتباس ملاحظہ ہو:

" جاده خراسان را شما پیش پای ما گذاشتید وحالا می فرمائید پول پارسالی هنوز نرسید ه است. شما لطف کنید مارا بر حسب دلخواه باز آرید. پنج را پنج هزار بگیرند. ماکجا اینجا کجا؟ مرغ مسکین چه خبر داشت که گلزاری

هست!...."[10]

شگفتہ، شیرین اور دلپذیر انداز از بیان جابجا غالب اور قائم مقام دونوں کی نثر میں نمایاں نظر آتا ہے۔ ذیل میں دیے گئے اقتباسات سے ان کے اس دلنشین انداز کی تائید ہوتی ہے۔ مولوی سراج الدین احمد کو لکھے گئے اس خط میں غالب کہتے ہیں:

" زینهار صد زینهار ای مولویؒ سراج الدین بترس از خدای جهان آفرین که چون قیامت قائم گردد وآفرید گار به داد بنشیند من گریان وموبه کنان در آن هنگامه آیم در تو آویزم وگویم که این آنکس است که یك عمر مرا به محبت فریفت ودلم برد چون من از سادگی بروفاتکیه کردم واین راز را از دوستان برگزیدم نفس کج باخت وبه من بیوفائی کرد. خدا را بگوکه آنزمان چه جواب خواهی داد وچه عذر پیش خواهی آورد۔[11]

قائم مقام کو بھی زبان وبیان پر ایسی قدرت حاصل تھی کہ معمولی بات بھی نہایت دلچسپ انداز میں پیش کرتے تھے۔ مثال کے طور پر:

" به خدا که بی آن جان عزیز شهر تبریز برای من تب خیز است بلکه از ملك آذر بایجان آذر هابه جان دارم...."[12]

غالب کے نثر کی ایک اور امتیازی خصوصیت مختصر جملوں کا استعمال ہے۔ غالب نے طویل جملوں سے گریز کیا اور اسی وجہ سے ان کی نثر خصوصاً خطوط روز مرہ گفتگو سے قریب ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر غالب کہتے ہیں:

" حضرت سلامت ، رسیدن دلنواز نامه دل راتنومند وشاخ آرزو را برومند ساخت. گله از نار سیدن پاسخ نامهای خویش میکنند واز خداشرم ندارند. من خود راجانب شما نگرامی داشتم که کجائید وچه در سر دارید.باری پرده از روی کار شما برگرفتم ودانستم که یکچند مرا فراموش کرده اید...."[13]

قائم مقام کے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ ہو جس میں یہ خصوصیت پوری آب وتاب کے

ساتھ نظر آتی ہے:

"نایب سلطنته بداند که مقرب الخاقان قائم مقام را که به در بار دولت هما یون فرستاده بود،وارد شد واز مطالب مصحوبی او استحضار حاصل آمد ، عرضها را کردو وعذر ها را خواست....."[۱۴]

غالب اور قائم مقام کی مندرجہ بالا نثر کی خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ غالب نے جس زمانہ میں ہندوستان میں جس سادہ نویسی کی تحریک کا آغاز کیا اور سلیس اندازہ بیان کو اپنایا، غیر ضروری عبارت پردازی سے اجتناب کیا، تقریباً اسی دور میں یہ تحریک ایران میں پروان چڑھی اور اس کے زیر اثر ایران میں روشن فکر لوگوں کا ایک طبقہ پیدا ہوا۔ انہوں نے فارسی طرز نگارش کو یکسر بدل دیا اور جدید رجحانات کو اپنا موضوع بنایا۔

حواشی:

۱۔ یادگار غالب، حالی، غالب انسٹی ٹیوٹ، نئی دہلی، ۱۹۸۶ء۔

۲۔ کلیات نثر غالب، مہر نیمروز، چاپ نو لکشور، ۱۸۷۱ء/ ۱۲۸۷ھ، ص ۲۶۷۔

۳۔ کلیات نثر غالب، مہر نیمروز، چاپ نو لکشور، ۱۸۷۱ء/ ۱۲۸۷ھ، ص ۲۷۴۔

۴۔ کلیات نثر غالب، مہر نیمروز، چاپ نو لکشور، ۱۸۷۱ء/ ۱۲۸۷ھ، ص ۵۔

۵۔ از صبا تا نیما یحییٰ آرین پور، ج اول، انتشارات زوار، چاپ چہارم، ۱۳۷۲ھ، ص ۶۵۔

۶۔ میرزا تقی خان امیر کبیر، عباس اقبال آشتیانی، چاپ سوم، تہران ۱۳۶۳ھ، ص ۴۶۸۔

۷۔ از صبا تا نیما، ص ۱۸۵۔

۸۔ تاریخ ادبیات، دکتر توفیق. ھ. سبحانی، ج ۴ مرکز چاپ وانتشارات، دانشگاہ پیام نور، چاپ ششم، ۱۳۷۵ھ، ص ۱۸۵۔

۹۔ کلیات نثر غالب، ص ۱۸۵۔

۱۰۔ از صبا تا نیما، ص ۷۱۔

۱۱۔ کلیات نثر غالب، ص ۱۴۳۔

۱۲۔ تاریخ ادبیات، ص ۶۶۔

۱۳۔ کلیات نثر غالب، ۱۲۴۔

۱۴۔ تاریخ ادبیات، ص ۶۶۔

☆☆☆☆☆☆☆